تبصراتی مقالہ

کراچی: منظم بدنظمی کا شکار شہر

جاوید احمد خورشید*

[درج ذیل تحریر میں فرانسیسی مصنف لوراں گائے کی کراچی کے موضوع پر کتاب کے منتخب مندرجات کو انگریزی سے اردو میں منتقل کرنے پر توجہ صرف کی گئی ہے۔راقم نے مصنف کو مورخہ ۱۳/جنوری ۲۰۱۷ء کو یہ اردو متن برقی مراسلے کے ذریعے ارسال کیا تھا جس کا جواب مصنف نے اسی روز ارسال کیا اور اردو متن سے اظہارِ اطمینان بھی کیا۔ راقم اور مصنف کے مراسلاتِ مذکور کو اس تحریر کے آخر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ج ا خ]

پاکستان کی معیشت کے لیے کراچی ناگزیر ہے۔سا کنان کراچی کی جانب سے انکم ٹیکس کی مد میں یومیہ ۲۱ ملین امریکی ڈالر کی ادائیگی (ص ۵) کی جاتی ہے۔ مسلح گروہوں کے لیے اس شہر کے مالی وسائل کے ساتھ ساتھ ووٹ، زمینیں، نوکریاں اور بھتے کا حصول ایک عرصے سے پُرکشش رہا ہے جس کے لیے یہ مسلح گروہ قتل و غارت گری (ص ۳) سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اس شہر کو درپیش منظم بدنظمی (Ordered Disorder) کے محرکات وعوامل کو فرانسیسی اسکالر لوراگائے[1] (Laurent Gayer) نے اپنی کتاب Karachi: Ordered Disorder and the Struggle for the City میں سماجی علوم کے جدید نظریہ سازوں اور راست مآخذ یعنی اردو وانگریزی اخبارات، انتظامی اداروں کی جانب سے جاری کردہ اعداد وشمار و دستاویزات، انٹرویوز اور اردو ادب کی مدد سے صراحت سے موضوع بنایا ہے۔

کتاب کا ذیلی عنوان برٹولٹ بریخت کی *The Exception and the Rule* کے درج ذیل اقتباس سے ماخوذ ہے:

Let nothing be called natural in an age of bloody confusion, ordered disorder, planned caprice, and dehumanised humanity, lest all things be held unalterable.

(ترجمہ: انسانوں کی تذلیل، منصوبہ بند بے ترتیبی، منظم بدنظمی اور سفاکی پر مبنی انتشار کے حالات میں کسی شے کو بھی

* استاد، شعبۂ اردو، کراچی گرامر اسکول، مقیم کراچی

اس وقت تک غیر جانب دار نہیں کہا جا سکتا جب تک حالات میں تغیر کا عمل ختم نہ ہو جائے۔)

مصنف مذکور اپنی اس تحقیق کی بابت یہاں کے علمی اور عوامی حلقوں میں بہت سی وجوہات کی بنا پر شہرت حاصل کر سکتا تھا لیکن افسوس اردو اخبارات و رسائل اور ادبی پرچوں کی انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کتابوں سے بے اعتنائی کسی سے مخفی نہیں۔ اردو اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے ادھ کچرے تبصروں سے قطع نظر کراچی کے متعدد ادبی پرچوں نے اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو در کنار کسی نے مختصر تبصرے کے لیے بھی اس کتاب کا انتخاب نہ کیا۔ کتاب مذکور میں مصنف نے اردو ادب کے مآخذ کو کثرت سے استعمال کیا ہے گویا مصنف نے ادب کو سماجی حالات کے بیان میں اہم گواہی کے طور پر لیا ہے۔ کتاب کا آغاز ہی ذیشان ساحل کی نظم ''ایک دن'' سے ہوتا ہے جو شاعر مذکور کے ایک مجموعے 'کراچی اور دوسری نظموں' میں شامل ہے۔ اس مجموعے میں ذیشان ساحل کی دو نظمیں شامل ہیں جو مئی سے اگست ۱۹۹۵ء کے درمیان تخلیق کی گئی تھیں۔ ۹۵ کا سال اس شہر کی تاریخ میں اس لحاظ سے اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اس سال ۱۷۴۲ افراد کو قتل کیا گیا۔ مصنف ذیشان ساحل کے بارے میں لکھتا ہے کہ 'ذیشان ساحل (۲۰۰۸ء۔۱۹۶۱ء) ایک نئے خیالات کا حامل صاحبِ طرز (avant-garde) شاعر تھا جس کا تعلق سندھ کے ایک شہر حیدر آباد سے تھا۔ ذیشان ساحل کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے یہاں توطن اختیار کر لیتا ہے۔ اس شاعر نے اپنی جوانی کا بڑا حصہ شہر کراچی میں گزارا۔ (ص ۲، ۳)

بلاشبہ ادب کی بطور ایک معتبر مآخذ کے اہمیت تسلیم شدہ ہے۔ اس کے باوجود مصنف نے انتظامیہ کی جانب سے پیش کردہ دستاویزات و اعداد و شمار، تاریخی مآخذ، سیاسی جماعتوں کا تشہیر کردہ مواد، انتشار پر مبنی سماجی حالات، سماجی علوم میں امتیاز کے حامل مغربی نظریہ سازوں کی تحقیقات اور شہر کراچی کا مصنف کی جانب سے بہ نظر خود مشاہدہ جیسے امور کتاب مذکور کے مطالعے کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ ایک بیرونی مصنف جو نتائج اخذ کرتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے، اس مصنف نے اپنے کام کو کس طرح پیش کیا ہے، مصنف نے کسی ایک پہلو پر نظر رکھنے کے لیے کون کون سے عوامل و محرکات کو پیش نظر رکھا ہے، مصنف کے لیے واقعات کو تاریخی تسلسل میں دیکھنے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے، مختلف آرا سے متشکل مواد کی ترتیب کو پیش کرنے کے لیے مصنف پر کیا اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مصنف نے اپنے موضوع کی جانب پیش رفت کے لیے کون سے سوالات قائم کیے ہیں، ایسے تحقیقی موضوعات پر کام کرنے کے لیے مصنف کو غیر جذباتی اور غیر استعاراتی اسلوب کیوں اختیار کرنا پڑتا ہے، ابواب کی پیش کش کیا ہونی چاہیے ابواب کے ساتھ ساتھ ذیلی عنوانات کی کیا اہمیت ہے، کسی علمی کام کو باوقار انداز میں انجام دینے کے لیے مصنف کا کثیر اللسان ہونا کیا معنی رکھتا ہے، یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جن کے شافی جوابات اس کتاب میں ملتے ہیں۔

کتاب مذکور کو لکھنے کی صراحت مصنف اس طرح کرتا ہے: یہ کتاب اس سوال کا قطعی درست جواب دینے کی دعوے

دار تو نہیں لیکن اس کتاب میں اس سوال پر غور کیا جائے گا کہ اس شہر کو گزشتہ تیس سالوں میں کئی بار تشدد کی آگ میں جھونکا گیا اور دوسری جانب شہر کو مکمل انتشار سے محفوظ بھی رکھا گیا ہے (ص ۱۳)۔ مصنف ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ 'اس کتاب کو لکھنے کا بنیادی مقصد اس بات کی صراحت ہے کہ کراچی میں بسنے والوں کی اکثریت ایسی ہے جو اپنی روزانہ کی زندگی مختلف مشکلات اور تنازعات کے تحت گزار رہے ہیں اور جیسا کہ یہ صورت حال ہوا میں معلق نہیں ہے اس لیے اس کتاب میں ساکنانِ کراچی کی زندگیوں میں ان اثرات کا احاطہ کرنا مقصود ہے جو انھیں اس شہر میں منظم بدنظمی کی صورت میں درپیش ہیں (ص ۱۴)۔ کراچی پر ملکیت کی جنگ نے نئی نئی صورتیں اختیار کی ہیں۔ یہ جنگ اس شہر کے مالی وسائل اور اس کی اراضی پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے کی جارہی ہے۔ یہ موضوعات ہی اس کتاب کی تصنیف کا موجب ہیں (ص ۵۲)۔

۳۳۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو ناشر Harper Collins *publisher* نے ہندوستان سے ۲۰۱۴ء میں شائع کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات ۲ میں تعارف، سات ابواب، نتائج اور منتخب کتابیات شامل ہیں۔ کراچی میں منظم بدنظمی کے انداز اور یہاں کی روزانہ کی زندگی پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اہم ماٰخذ کے ساتھ ساتھ مساحتی کام (fieldwork) بھی کیا جائے۔ اس حوالے سے مصنف نے اپنی حکمت عملی ان الفاظ میں بیان کی ہے: 'مختلف اوقات میں کیے جانے والے مساحتی کام جس کا کل دورانیہ آٹھ ماہ کے عرصے پر محیط ہے اس میں کراچی کو درپیش صورتحال کے حوالے سے قریباً ۲۰۰ افراد سے گفتگو کی گئی۔ یہ مساحتی کام ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۳ء کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ تمام گفت وشنید اردو اور انگریزی زبان میں ہوئی۔ ان مکالمات کا بڑا حصہ وہ ہے جو اردو میں کیا گیا ہے۔ ان افراد میں سیاست دان اور سیاسی کارکنان شامل ہیں۔ وہ سماجی کارکنان بھی شامل ہیں جنھوں نے کراچی کے ان علاقوں میں کام کیا ہے جو عام طور پر متاثر ہوئے ہیں اور ان سماجی کارکنان کو سیاسی اور جرائم پیشہ افراد کی جانب سے ان علاقوں میں مسائل کا سامنا بھی رہا تھا۔ نظم ونثر پر مبنی وہ تحریری مواد بھی زیرِ غور رہا جو بالعموم خاص لوگوں کے لیے ترتیب دیا جاتا ہے۔ سیاسی قائدین کی خودنوشتوں اور شہریوں کے تاثرات سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اردو شاعری کی ان تخلیقات سے بھی مدد لی گئی ہے جن کا موضوع کراچی میں موجود پُرتشدد حالات ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے بعد کے اخبارات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن میں نیوز لائن (Newsline) اور دی ہیرالڈ (The Herald) قابل ذکر ہیں۔ (ص ۱۴۔۱۵)

مصنف کی موضوع پر تلاش وتفحص کئی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں دو حوالے اہم ہوں گے۔ ایک جگہ مصنف نے ۱۹۵۱ء میں ہونے والی مردم شماری پر مبنی دستاویز کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۹ کا حوالہ رقم کیا ہے کہ اس دستاویز میں پہلی مرتبہ اداروں کی سطح پر لفظ 'مہاجر' کو تسلیم کیا ہے (ص ۲، ۲۸۵) کیوں کہ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد بھارت سے آئے ہزاروں خاندانوں نے اس شہر کراچی کو اپنا مسکن بنایا اور یہ شہر قیامِ پاکستان کے بعد کے سالوں میں اردو بولنے والوں کی اکثریت کے طور پر شناخت کیا گیا (ص ۲)۔ اس شہر کو تحقیق کا موضوع بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اس شہر کی پاکستان بھر

کے لیے مالی خدمات پر بھی توجہ دی جانی ناگزیر تھی۔ اس حوالے سے مصنف نے جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں وہ اس طرح ہیں: باوجود منظم بدنظمی کے اس شہر کو پاکستان کے تاج میں نگینے (Karachi remains the jewel in the Pakistan crown)' کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یومیہ بنیادوں پر کراچی ۲۱ ملین ڈالر ٹیکس ادا کرتا ہے جس کی صراحت یہ ہے: ۰ ۷ فی صد نیشنل انکم ٹیکس ریونیو کی مد میں اور ۵۴ فی صد سینٹرل گورنمنٹ کو ٹیکس ریونیو کی مد میں ادا کرتا ہے۔ پاکستان کی گروس ڈومیسٹک پروڈکٹ یعنی جی ڈی پی (Pakistan Gross Domestic Product)(GDP) کا ۲۵ فی صد کراچی ادا کرتا ہے جو پاکستان کی دیگر ملکوں سے تجارت (International trade) کا ۹۵ فی صد ہے۔ کراچی کا مینوفیکچر سیکٹر پاکستان کے کل حجم کا ۲۵ فی صد ہے۔ پاکستان کے کُل بینک ڈپوزٹس کا ۵۰ فی صد اس شہر میں موجود ہے۔

اس صورت حال پر مصنف کا تجزیہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے۔ مصنف کا طنزیہ لب و لہجہ ان سطور سے مترشح ہے کہ 'پاکستان کی معیشت میں کراچی کی اساسی اہمیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس شہر میں بدنظمی کا تسلسل بھی ایک قسم کے استحکام کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ مصنف ذرائع ابلاغ کے پیش کردہ ان حقائق کی مخالفت کرتا ہے جو اس شہر کو انتشار اور بدنظمی کے باعث ناقابل حکومت (ungovernable) سمجھتے ہیں کیوں کہ یہاں پر پیدا کردہ انتشار اور بدنظمی بھی نظم سے عبارت ہے۔ (ص ۵)

مصنف لکھتا ہے کہ مائیکل ٹوسگ (Michael Taussig) اور دیگر سماجی علوم کے ماہرین جنھوں نے انتشار پر مبنی سماجی صورت حال کو اپنی غور و فکر کا موضوع بنایا ہے ایسی صورت حال جسے الجھاؤ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو ٹوسگ کے الفاظ میں 'تمھاری بدنظمی' (Your disorder) 'میرا نظم' (my order) سے عبارت ہے۔ کراچی میں تشدد کی تاریخ کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ 'میرا یہ فہم ہے کہ اس پیچیدہ صورت حال کو مکمل طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے جہاں مقامی آبادی بڑھتے ہوئے عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اس لیے یہ ممکن بھی ہے اور ضروری بھی کہ یہاں موجود صورت حال کو کثیر ثقافتی (ethnographic) پہلو سے تعبیر کرنے کے بجائے اس سے آگے بڑھ کر اس پر غور و فکر کی جائے اور ایک ایسا ضابطہ وضع کرنے کی ضرورت ہے جس کے بارے میں پال رچرڈ (Paul Richards) لکھتا ہے کہ 'اداروں نے ایک طویل عرصے سے مسلح تنازعات کو ایک حدود میں رکھا ہوا ہے'۔ اس لیے ہم یہاں باہمی طور پر ان چار مظاہر (mutually reinforcing phenomena) کا مطالعہ کریں گے جنھیں کراچی کی سیاسی کش مکش میں کئی سالوں سے دیکھا جا سکتا ہے جو ایک کمزور توازن (fragile equilibrium) قائم کرتا ہے:

۱۔ مکمل غلبہ حاصل کرنے اور تشدد کو روکنے میں کوئی بھی عامل کام یاب نہیں۔ آپس میں عدم توازن کے فروغ میں ایک عامل (ایم کیو ایم) کام یاب ہے جو دوسرے عوامل کے بجائے زیادہ خود انحصار ہے۔

۲۔ اس اکثریتی جماعت کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کا اظہار غیر مہذب انداز میں اس طرح کرتی ہے کہ پہلے وہ اپنے تسلط کو ختم کرتی ہے، پھر اسی دوران بدنظمی پر اپنی اظہار کرتی ہے، اور اس کے بعد قلیل وقت میں ہی امن بحال کر دینے میں کام یاب دکھائی دیتی ہے۔

۳۔ مختلف جماعتوں کے اتحاد پر مبنی سیاست میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں جو ضلعی سطح پر لسانی بنیادوں پر اتحاد کی صورت حکومت بنانے میں کام یاب ہوتی ہیں وہ اپنے خفیہ تنازعات اور محاذ آرائی کی وجہ سے ریاست پر تسلط قائم کرنے اور ریاست کے وسائل کو لوٹنے کی تگ و دو میں رہتی ہیں، اور

۴۔ حکومت اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لیے بار بار مداخلت کرتی ہے اور ریاست اور نجی اداروں سے وابستہ خواہشات پر مبنی نئے نئے وعدے کرتی ہے جو بنیادی طور پر استحکام کا شکار نہیں ہوتے۔ (ص ۱۳، ۱۴)

کراچی کبھی بھی تقسیم (Partition) کے صدمے سے نہیں نکل سکا۔ یہاں رہائش اختیار کرنے کے لیے جگہوں کا مسئلہ ہمیشہ سے رہا ہے جس نے مختلف گروہوں کے مابین تصادم کی صورت حال پیدا کر رکھی ہے۔ تقسیم کے بعد یہاں سامنے آنے والا معاشی، سماجی اور سیاسی خلا کو ہندوستان سے ہجرت پر مامور اردو زبان بولنے والے کبھی پورا نہیں کر سکے۔ اس شہر کی ملکیت کا دعویٰ بھی ہمیشہ سے ایک فساد کی جڑ کے طور پر سامنے آیا ہے۔ سندھ کی اشرافیہ سے توقع تھی کہ وہ ہندو اور پارسیوں کی یہاں سے ہجرت کے بعد ان کی جگہ لے لیں گے۔ تقسیم کے کافی عرصے بعد اس شہر کی سیاست میں ابھرنے کی صورت میں ایم کیو ایم نے بھی اس شہر کی ملکیت کا دعویٰ کیا۔ ابھی کچھ عرصے میں پختونوں کے متوسط طبقے نے بھی اس شہر کی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح بلوچ آبادی بھی اس شہر کے دعوے دار ہے۔ جہادی تحریکات بھی کراچی کی 'سیکولر مرکز' (secular centre) کے طور پر شہرت کو للکار رہی ہیں (ص ۵۲)۔ افغان جنگ کے دنوں میں کراچی پر ملکیت، یہاں کے افراد اور اس شہر کے معاشی وسائل پر قبضے کی تگ و دو میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس دوران اس شہر کی غیر رسمی معاشی سرگرمیوں (unofficial economic activities) میں ملوث افراد نے اس شہر کے پرامن بقائے باہمی کے طور پر رہنے والے افراد کو للکارا اور ان افراد نے ایک لسانی گروہ کے طور پر اپنی شناخت پر بھی اصرار کیا۔ اس کے بعد پیدا ہونے والی محاذ آرائی کا تعلق ابتدا میں بالکل بھی لسانی نوعیت کا نہ تھا، بلکہ اس کا گہرا تعلق منشیات یعنی ہیروئن کی فروخت سے حاصل کردہ وسائل کو اس شہر کی ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں اور یہاں کی اراضی خریدنے پر لگایا گیا۔ ۱۹۸۶۔۱۹۸۵ء کے لسانی فسادات کے بعد ایم کیو ایم کا کردار اس اعتبار سے اہم رہا کہ اس نے اپنے خوف زدہ اردو ووٹروں کو مہاجر قومیت کے منصوبے کے تحت متحرک کیا۔ مہاجر قومیت کا یہ منصوبہ ۱۹۷۰ء میں بھی سامنے آیا تھا لیکن اسے زیادہ لوگوں کی حمایت حاصل نہ ہوئی۔ کراچی میں ایم کیو ایم کو ایک مقتدر سیاسی قوت کے طور پر اہمیت حاصل رہی ہے لیکن اس جماعت کے حاکمانہ عزائم کو مہاجر قوم کے اندرونی اور بیرونی حلقوں سے مزاحمت کا سامنا رہا ہے۔ (۵۲)

کراچی یونی ورسٹی میں تشدد کی لہر میں اضافے کی وجوہات میں سیاسی یا معاشی اہداف رکھنے والے موجود نہ تھے۔ یہاں تشدد میں اضافے کا باعث نہ تو کوئی شعوری عمل تھا اور نہ اس کا محرک لسانی تھا۔ نظریاتی وابستگیوں (ideological affillations) نے یہاں موجود متنوع ثقافتی شناختوں کو تبدیل کیا۔ ۱۹۷۰ء کے آخر میں یہاں اس وقت کشیدگی میں مزید اضافہ ہوتا ہے جب پاکستان کی عسکری اشرافیہ (milatary elites) اپنی سیاسی حکمت عملی تبدیل کر دیتی ہیں۔ افغان جہاد کے بعد طلبا تنظیموں کے لیے اسلحے کا حصول آسان ہوجاتا ہے جس سے کراچی یونی ورسٹی کے کیمپس میں اسلحے کا سیلاب آجاتا ہے۔ اسی دوران طلبا سیاست میں اہم کردار کے طور پر داخل ہوتے ہیں جن کے پاس جرائم کا تھوڑا ہی تجربہ ہے اور وہ ایک نیا انداز اس طرح متعارف کراتے ہیں کہ موجود طلبا تنظیموں کے قبضے کو للکارا جاتا ہے۔ یہاں طلبا میں موجود اختلافات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسّی کے عشرے کے درمیان میں اے پی ایم ایس او ابھر کر سامنے آتی ہے جس سے مزید سیاسی تشدد میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ طلبا تنظیم عسکری اداروں کی طرز پر لوگوں کو پکڑنے کا انداز متعارف کراتی ہے۔ جب یہ تنظیم اپنی عسکری طاقت کو مضبوط کر لیتی ہے تو اسے پہلی بار انتخابی کامیابی حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد جماعت اسلامی کے سابقہ افراد اور بائیں بازو کے بدمعاشوں (badmashs) کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور مہاجر قومیت کی خدمت کے نام پر تشدد میں اپنی مہارت دکھاتی ہے۔ (ص ٧٦)

۱۹۸۰ء سے ایم کیو ایم کراچی کی مقتدر سیاسی اور عسکری طاقت ہے جو ایک طلبا تنظیم اے پی ایم ایس او کے نتیجے کے طور پر سامنے آئی۔ ایم کیو ایم پر ہونے والے مطالعات میں یہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے مہاجر قومیت کو بتدریج معاشی اور سیاسی میدان میں کنارے کر دیا گیا ہے۔ ایسی سماجی و معاشی توجیہات اور مہاجر طلبا کی ابتدائی سرگرمیوں اور غلطیوں کو جواز حاصل نہیں ہوتا۔ مہاجر قومیت کا یہ ابتدائی دور یعنی طلبا کی تحریک جسے گلی محلوں میں مار کٹائی (street fighting years) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس طرز نے ایم کیو ایم کی لیڈر شپ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں جسے اس جماعت کے نظریہ ساز ایک مسلسل جنگ کی حالت (a state of permanent warfare) کے طور پر خیال کرتے ہیں۔ خاص انداز میں دی جانے والی اجازت جسے ایم کیو ایم کے شناختی نشان (trademark) کے طور پر شہرت حاصل ہے جسے ان جنگی حالات (state of war) کے لیے ایک عقلی جواب کے طور پر اس کے نظریہ سازوں نے پروان بھی چڑھایا جو دراصل اے پی ایم ایس او کا ورثہ ہے۔ اس طرح مہاجر تحریک قومی دھارے میں داخل تو ہو جاتی ہے لیکن اس جماعت کے اندر اقتدار کا محور شخصی ہو جاتا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کراچی کی طلبا تنظیموں کی عسکریت پسندی نے اے پی ایم ایس او کے بانیوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ۸۵۔۸٦ء کے لسانی ہنگاموں کے بعد ایم کیو ایم ایک ایسی عسکری جماعت کے طور پر سامنے آئی جو مقامی سطح پر طاقت ور جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ سے دست و گریبان ہوئی۔ ۱۹۸۰ء کے آخر میں اس جماعت کا اسلحہ حاصل کرنے کا جنون اور لڑنے کے لیے اپنے لوگوں کی تربیت نے اسے ایک ایسی طاقت

میں تبدیل کر دیا جسے بعد میں تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ ایم کیو ایم کو جو چیز اس کی معاصر جماعتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ اس جماعت نے عسکریت پسندی اور خدمت کے جذبے کو ساتھ ساتھ رکھا۔ (ص ۱۲۰-۱۱۹)

لیاری کے لوگوں کی فٹ بال سے دلچسپی کے باعث اسے مصغر برازیل (mini-Brazil) اور یہاں پر مسائل کی بھرمار کے باعث اسے مسائلستان بھی کہا جاتا ہے۔ لیاری کو غربت اور جرائم کے حوالے سے بھی شناخت کیا جاتا ہے جہاں کی بلوچ آبادی کراچی کے اولین افراد ہونے کے دعوے دار ہیں اور یہ آبادی خود کو محروم اس لیے محسوس کرتی ہے کہ اس شہر پر سیاسی اور معاشی اعتبار سے تقسیم کے بعد سے مہاجروں کا قبضہ رہا ہے۔ لیاری میں موجود جرائم پیشہ گروہوں کی سرکوبی کرنے کے بجائے پی پی پی اور ایم کیو ایم اپنے اپنے علاقوں میں اثرات بڑھانے کے لیے جرائم پیشہ گروہوں کے ساتھ ساز باز کرتے ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں رحمن ڈکیت کو ایک پولیس مقابلے کے ذریعے ہٹائے جانے اور ۲۰۱۲ء میں پیپلز امن کمیٹی کے خلاف پولیس آپریشن پر ڈکیتوں کے سیاسی سرداروں کی جانب سے منظم مزاحمت سامنے آتی ہے۔ لیاری میں ۲۰۱۲ء میں کیا جانے والا آپریشن پولیس کی ناقص منصوبہ بندی اور سیاسی دباؤ کے باعث ناکام ہوا۔ رینجرز اہلکاروں کی تعیناتی کے بعد آپریشن میں اچھے نتائج دیکھنے کو اس لیے بھی ملے کہ انھوں نے فوج اور پیپلز امن کمیٹی کی قیادت کے مابین خفیہ مفاہمت کو پیش نظر نہ رکھا۔ پیپلز امن کمیٹی کو یہ مشروط رعایت حاصل تھی کہ وہ لیاری میں بلوچ قومیت سے وابستہ جذبات کے ابھرنے میں حائل رہے گی۔ ایک سال بعد جب رینجرز اہلکاروں نے پیپلز امن کمیٹی کے دفاتر اور عذیر بلوچ کے عالی شان محل پر چھاپہ مارا تو انھیں وہاں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کراچی میں قتل و غارت گری کے جتنے بھی انداز رہے ہیں اس میں ۲۰۱۳ء میں ہونے والے ارشد پپو کے ہولناک قتل کی نظیر نہیں ملتی۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے آج بھی اس جانب فیصلہ کن پیش رفت نہیں کر سکے ہیں۔ (۱۶۱-۱۵۸)

فرقہ واریت کی وہ لہر جس کا آغاز ۱۹۵۰ء میں ہوا تھا، ۱۹۸۰ء میں اس تقویت ملتی ہے اور اس نے کراچی کی بہ طور 'سیکولر سینٹر' کے شناخت پر اسّی کی دہائی کے وسط میں 'لبرل' ایم کیو ایم کے غلبے کو چیلنج کیا۔ ایم کیو ایم کا شہر پر غلبہ بھی کراچی کے دیوبند علما اور بعد میں ابھرنے والی تنظیم جیش محمد کو فرقہ واریت کی سمت میں اہم کردار ادا کرنے سے نہیں روک سکا (۲۰۱)۔ جامعہ کراچی اور این ای ڈی جیسے سیکولر تعلیمی مراکز سے تربیت پانے والے اسلام پسندوں کو کراچی سے افغانستان بھیجنا نیا نہیں۔ ۱۹۸۰ء میں افغان جہاد میں حصہ لینے کے لیے کراچی کے تعلیمی اداروں سے طالب علموں کی ایک اچھی تعداد روانہ ہوتی تھی۔ ۲۰۰۱ء کے بعد یہی طالب علم امریکہ سے لڑنے کے لیے تکفیری عناصر (takfiri elements) میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں ان جہادیوں نے اپنا ایک علاحدہ گروپ بنالیا تھا جو بعد میں پنجابی طالبان کے نام سے شناخت کیے گئے۔ کراچی کے موجودہ حالات میں بھی فرقہ واریت اور جہاد ازم کو خود ساختہ لبرل ایم کیو ایم اپنے سیاسی غلبے اور اس سے زیادہ اہم اپنی عسکری طاقت کے ذریعے روک نہ سکی ہے۔ نظریاتی بنیادوں سے قطع نظر

ایم کیو ایم اور مذہبی جماعتوں کے مابین اختلاف کی وجہ دراصل مقامی سطح پر غلبہ حاصل کرنا تھا۔ یہ تنازعہ اس وقت زور پکڑ جاتا ہے جب مذہبی جماعتیں سیاسی عزائم پیش کرتی ہیں اور ایم کیو ایم عسکری رجحان کے حامل افراد کو نکالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ جماعتیں چندے اور دیگر اشیا کے حصول میں دست و گریبان رہتی ہیں۔ جانوروں کی کھالوں کا حصول ایم کیو ایم کے لیے ایک اہم مالی ذریعہ ہے۔ دعوتِ اسلامی جس نے ۲۰۰۶ء میں زکوۃ حاصل کرنے کی مد میں ایم کیو ایم کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ سنی تحریک جس میں ایم کیو ایم کے سابق کارکنان شامل ہیں جیسے شاہد غوری جو ایم کیو ایم حقیقی سے سنی تحریک میں آیا۔ سنی تحریک اور سپاہ صحابہ پاکستان جیسی جماعتیں انتخاب میں ووٹ حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ موجودہ حالات میں ایم کیو ایم کو اے این پی کے ووٹ بینک میں اضافے کا خوف اس لیے لاحق رہتا تھا کہ پشتون پناہ گزین ہزاروں کی تعداد میں اس شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ ایم کیو ایم سے وابستہ لکھنے والے ۲۰۰۰ء سے کراچی میں طالبنائزیشن کا پرچار کر رہے ہیں اور اس جماعت کی قیادت طویل عرصے سے جہادازم کے بجائے پشتون پناہ گزین اور آئی ڈی پیز (IDPs) کی بڑھتی ہوئی موجودگی سے خوف زدہ ہے۔ اس خوف کا اظہار طالبان کے بجائے اے این پی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

کراچی میں منظم بدنظمی سامنے آنے کے یہ عوامل ہیں: ایم کیو ایم کی جماعت اپنے عروج کے دور میں خود ایک قانون کا درجہ اختیار کر گئی تھی، لیاری کے ڈکیتوں نے اپنی علاقائی حدود میں جرائم سے وابستہ سرگرمیوں کے تعلق سے ایک ایسا نظام وضع کر لیا تھا جو ریاست میں ریاست کا حامل تھا: موجودہ حالات میں طالبان نے اپنی عدالتیں قائم کر لی تھیں جو رائج عدالتی نظام کو کرپٹ اور غیر موثر قرار دیتے ہیں۔ (ص ۲۰۲۔ ۲۰۳)

نیٹو کی جانب سے جو رسد کی فراہمی کراچی سے افغانستان تک ہوتی تھی اس میں سب سے زیادہ افغانستان اور پاکستان کے طالبان نے مال بنایا۔ اس کے اثرات سیاسی اور لسانی تنظیموں پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایم کیو ایم اور پیپلز امن کمیٹی کے مابین بھی یہ موضوع تنازعے کا باعث رہا، کیوں کہ دونوں جماعتوں کے علاقوں سے نیٹو رسد لے جانے والی گاڑیاں گزرتی تھیں۔ بہت سے متنازعہ پہلوؤں کے باوجود الطاف حسین نے برطانوی اور امریکی مفادات کی حمایت اس طرح کی کہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف اپنی جماعت کو متحرک کیا۔ ایم کیو ایم واحد جماعت ہے جس نے ۱۱ ستمبر کے حملے کے بعد سب سے زیادہ سڑکوں پر احتجاج کیے (۲۷۶)۔

مصنف نے کتاب کا اختتام غالب کے شعر سے کیا ہے۔ غالب نے دہلی میں سیاسی انتشار کا مشاہدہ کیا تھا۔ مصنف لکھتا ہے کہ غالب نے جس انداز میں اس صورت حال کو بیان کیا ہے اسے غالب کا کوئی معاصر اس طرح بیان کرنے کا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ غالب کا شعر ہے:

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا

سیاسی حالات اور جرائم کی شدت کے باعث کراچی کے عام شہری وخواتین اور بچوں میں بڑھتا ہوا عدم تحفظ اور ان کی انفرادی واجتماعی زندگی میں تشدد کے اثرات نمایاں ہیں۔ان میں بے دست و پا ہونے کا احساس پایا جاتا ہے۔کراچی کے متوسط اور بالائی طبقے کو بھتے خوروں کے حوالے کر دیا گیا ہے جو ان کے روزانہ کے معمولات سے باخبر ہیں۔ پھیری پر مامور چھوٹا موٹا کاروبار کرنے والے افراد بھی اس عدم تحفظ کی صورت حال میں آسان ہدف ہیں جنھیں اغوا کار اور قاتل اپنے سیاسی سرپرستوں کی ایما پر قتل کرتے ہیں۔خوف کا عنصر شہر کراچی کی ازسرِنو تشکیل کر رہا ہے۔مورچوں کی تعمیر اور آہنی رکاوٹیں(iron barriers) وغیرہ جن پر سیاسی جماعتوں کے جھنڈے لگے ہوتے ہیں،عدم اطمینان کا باعث ہیں۔(ص ۲۷۳)

موضوع سے انصاف کرنے کے لیے مصنف نے تیرہ سال (۲۰۰۱۔۲۰۰۳ء) کے عرصے میں جو تحقیقی نوعیت کا مواد جمع کیا اس کے حصول میں جن شخصیات نے تعاون کیا اس کا اختصار سے ذکر کلمات اظہارِ تشکر (acknowledgements) میں ملتا ہے۔اس حوالے سے مصنف نے سب سے پہلے طویل عرصے پر محیط اپنے ہم قدم کرسٹوفی جیفری لوٹ کا ذکر کیا جس نے مصنف کی توجہ کراچی کی سیاسی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کی جانب دلائی جس پر مصنف نے بہ حیثیت امیدوار پی ایچ ڈی کے توجہ کی۔مصنف نے اپنے ناشر مائیکل ڈیئر(Michael Dwyer) کا بھی شکریہ ادا کیا ہے۔کراچی میں واقع فرانسیسی سفارت خانے کے عملے نے مصنف کی مدد کی جس میں مصنف نے پیری سیلان کا خاص شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے مصنف کو اردو شاعری پڑھنے کے لیے ہدایت حسین سے متعارف کرلیا۔

مصنف نے آصف فرخی کا بھی اپنے اس منصوبے کے حوالے سے شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے کراچی میں قائم شرف آباد بے دل لائبریری سے متعارف کرایا جسے مصنف نے اردو کے اساتذہ اور اسکالروں کے خاندان سے تعبیر کیا ہے اور اس کتب خانے کے چیف لائبریرین محمد زبیر کا شکریہ ادا یہ کہہ کر کیا ہے کہ محمد زبیر صاحب کی مطلوبہ مواد کی فراہمی میں ایک فراخ دل شخص کے طور پر جیسی شہرت ہے انھیں ایسا ہی پایا۔

ناشر اجمل کمال،معروف ماہرِ تعمیرات عارف حسن اور ان کی سابقہ رفیق کار اور اورنگی پائلٹ پروجیکٹ سے وابستہ پروین رحمن،صحافت کے شعبے سے وابستہ اشرف خان،دستاویزی فلم ساز عذیر سنگھور،احمد ولی مجیب،ضیاالرحمن،ماہیم مہر، ندیم ایف پراچہ اور انگریزی روزنامے ڈان(Dawn) کے ایڈیٹر ظفر عباس،ندا کرمانی اور فرحان حبیب صدیقی کا شکریہ ادا کیا ہے۔

اپنے میزبان ناجیہ،عاصم صدیقی اور ان کے بچے ارج،کرن اور ریان کا بھی شکریہ ادا کیا ہے۔مصنف نے اس خطے میں موجود سینٹر ڈی سائنس ہیومنز(Centre de Sciences Humaines) سے وابستہ اپنے رفقائے کار ریمی ڈیلگ (Remy Delage) اور اولیور ٹیلی(Olivier Telle) نے جو مدد فراہم کی اس کا اعتراف کیا ہے۔اس کتاب کی

ترتیب میں برٹرینڈ لیفی ور (Bertrand Lefebvre) کی خدمات کا بھی مصنف نے اعتراف کیا ہے۔ کیرن برکی (Karen Barkey)، مریم ابوذہب، نکولا خان (Nichola Khan)، اپنے تینوں ریفریوں (referees)، اردو اصطلاحات کے تراجم کے لیے مولانا وارث مظہری کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مصنف آخر میں اپنی بیوی مایوکا (Mayuka)، بیٹی انجو (Anju) کا بھی خصوصی شکریہ ادا کیا ہے۔

کتاب کا انتساب پروین رحمن کی یادوں کی نذر ہے جنھیں مارچ ۲۰۱۳ء میں انتہائی سفاکی سے مار دیا گیا تھا۔ کتاب کا سرورق فاطمہ جمع دار کا بنایا ہوا ہے جس کا عنوان 'کراچی کی کہانی' ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ لوراگا Centre national de la recherche scientifique (CNRS) سے وابستہ ہیں۔ ان کی مشہور تصنیفات یہ ہیں:

Armed Militias of South Asia: Fundamentalists, Maoists and Saparatists Muslims in Indian Cities: Trajectories of Marginalisation

۲۔

List of Figures, Tables and Maps
List of Images
Acknowlegdements
Note on Transliteration
Frequently Used Abbreviations
Select Glossary of Urdu Terms

Introduction
The Enigme of Karachi's 'Ordered Disorder'
Scope, Sources and structure of the Book

1 A Contested City
A City Up for Grabs
The Normalisation of the Unofficial
The Burden of Geography
A Palimsest of Sovereignties
Conclusion

2 From Student Brawls to Campus Wars
Discontent Central: The Student Movement and
Politicle Change in West Pakistan (1947-11979)
The Fascilitating Factors of Political Violence
Predictable but Contingent: The First 'Politica' Killing
at Karachi University
Conclusion

3 'The Mohajirs Have Arrived'
The Unremarkable Beginings of Mohajir Nationlism
The MQM Between Party and Movement
The MQM Challenged Predominance
Conclusion

4 The Bandits Who Would be Kings
Lyari and Its Decoits
The Volatility of Politico-Criminal Configurations
Rehman Dakait's Failed Transition from Crime to Politics
Bis Repetita? The PAC 2.0 and Rehman's Legacy
Conclusion

5 Jihad Comes to Town
A Secular City?
Secretarian Turf Wars
Towards the 'Talibanisation' of Karachi?
Conclusion

6 A City on the Edge
The Institutional Fabric of Karachi's Armed Conflicts
The Limits of Control
Conclusion

7 Geographies of Fear
City of Fear
Everyday Geographies of Fear
The Architecture of Safety
Conclusion

Notes
Selective Bibliography
Index

13-01-2017
Dear Laurent Gayer sahib,
It gives me an immense pleasure to read your Karachi: Ordered Disorder and the Struggle for the City.
I have tried my utmost to faithfully produce the contents of your work in Urdu so the Urdu readers could know how you researched.
Here is an attachment comprising the review.
Before I send it to any Urdu magazine either in Pakistan or India, I feel necessary not only to seek your suggestion where I went wrong in producing the contents of your book in Urdu but also to have your advice whether anything I have left which you find

necessary to add.
Jawed Ahmed Khursheed
13-01-2017
Dear Jawed sahib
My most heartfelt thanks for your kind remarks and for this elegant review, which will help spread my modest contribution to Urdu-speakers. I particularly like the translation of "ordered disorder" as "munazam bad nazmi" and will use it from then on in my interactions with Urdu-speakers in Karachi. I think you have covered most of the themes of the book in a very comprehensive and rigorous manner and do not have anything to add.
Do keep me posted on the response of Urdu periodicals or journals.
Best regards,
Laurent

Abstract

The review presents the contents of Karachi: Ordered Disorder and the Struggle for the City by Laurent Gayer surveying the various threads that go into Karachi's landscape of violence. Karachi's violence has shown patterns of organization, containment and continuity in certain areas of the city. Karachi's violence within its historical roots i.e the displaced populations arriving in the city after Partition which sparked Karachi's chronic land and housing crisis. Examining MQM, he traces the roots of Mohajir nationalism in the early 1970s during the ethnic tensions between Sindhis and Mohajirs. From there onward, he represents an intriguing account of the organizations and its double-speak regarding its revolutionary ideological rhetoric and practical politics of operating through state institutions. The chapter Jihad Comes to Town relates the story of the large swathes of land that have come under the Taliban influence post 9/11 and how that has disturbed the existing order in the city.

Keyword: Mohajir Nationalism, Jihad, Ordered Disorder, Karachi's landscape of violence